271

رجالِ اقبالؒ

سوانحی خاکے

ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی

مبلغِ اقبالؒ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال اکادمی پاکستان
©2002-2006

ڈاکٹر پروفیسر سید محمد اکرم

رجال اقبال

سوانحی خاکے

ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی

مبلغ اقبال

۱۹۶۰ء میں مَیں فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے تہران گیا تو وہاں میری پہلی ملاقات ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی سے ہوئی۔ وہ اس وقت پاکستان میں کلچرل اتاشی تھے۔ میں نے انہیں بہت شایستہ، خندہ رو اور خوش گفتار آدمی پایا۔ پھر میرا ان سے علمی رابطہ ہمیشہ برقرار رہا۔ وہ جب بھی لاہور آتے تو ملنے کے لیے یونیورسٹی میں عموماً تشریف لاتے۔

وفات سے دو ہفتے پیشتر انہوں نے مجھے لاہور سے ٹیلی فون کیا کہ آج شام اگر ہو سکے تو آپ مجھے ملنے کے لیے آئیں۔ کل میری آنکھ کا اپریشن ہے۔ پتا نہیں اپریشن کے بعد آنکھ کھلے یا نہ کھلے۔ میں چاہتا ہوں آپ کو دیکھ لوں۔

چنانچہ میں اسی شام گلبرگ میں ان کی اقامت گاہ پر حاضر ہوا۔ وہ میرے منتظر بیٹھے تھے۔ میں تقریباً دو گھنٹے تک ان کے پاس رہا۔ وہ اس دوران اپنی دیرینہ یادوں کو مسلسل دہراتے رہے۔ بعد ازاں ایک روز میں نے ڈائرکٹر خانہ فرہنگ ایران آقائے صادق گنجی کو صرف سلام علیک کے لیے فون کیا۔ انہوں نے مجھے فوراً بتایا کہ آج ڈاکٹر عرفانی فوت ہو گئے ہیں۔ ہمیں ان کے جنازے میں شرکت کے لیے چلنا چاہیے۔ چنانچہ ہم دونوں فوراً سیالکوٹ روانہ ہو گئے۔ ہمارے پہنچتے ہی نمازِ جنازہ کھڑی ہوئی۔ ہم ایک منٹ کی تاخیر کے بغیر نمازِ جنازہ میں شریک ہو گئے۔ مجھے ایسے لگا جیسے عرفانی صاحب آج بھی میرے منتظر تھے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میں ڈائرکٹر خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کا نہایت سپاس گزار ہوں کہ ان کی کوشش اور وساطت

سے ڈاکٹر عرفانی مرحوم کے جنازے میں شریک ہو سکا۔ ایرانی دوست واقعی ہمارے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ خدا انہیں خوش رکھے۔

ڈاکٹر عرفانی کے ساتھ تیس سال تک رابطہ رہا۔ پاکستان، ایران، رومی، اقبال اور فارسی ان کی سوچ اور گفتگو کے مرکزی موضوعات تھے۔ ان کی اکثر کتابیں بھی اسی حقیقت کی شاہد ہیں۔ مثلاً: رومیِ عصر، اقبالِ ایران، حدیثِ عشق، داستان ہائے عشقِ پاکستان، کشمیر در شعر فارسی اور گفتہ ہائے رومی و اقبال

Saying of Rumi and Iqbal

تہران میں ڈاکٹر عرفانی اکثر علمی مجالس میں جا کر پاکستان کے بارے میں گفتگو شروع کر دیتے۔ وہ اس سلسلے میں فوراً اقبال کو موضوعِ سخن قرار دیتے اور اس پر رومی کے شعر پیش کرتے۔ نہایت سلیس اور رواں فارسی میں گفتگو کرتے۔ گفتگو میں اقبال اور رومی کے اشعار بکثرت پڑھتے۔ اپنا مافی الضمیر بڑی صراحت سے بیان کرتے۔ ان دنوں میں تہران میں ہندوستانی سفارت خانے کا پاکستان کے خلاف سخت پراپیگنڈا تھا۔ چنانچہ اکثر ایرانی دانشور تقسیمِ ہند اور تشکیلِ پاکستان کے بارے میں معترضانہ انداز میں سوال اٹھاتے تھے۔ ڈاکٹر عرفانی بڑے خوبصورت انداز میں جواب دیتے۔ ایرانی علما کو ان کا یہ جواب بڑا دلچسپ ہوتا۔ وہ کہتے کہ جناب ہم پاکستانی مسلمان پہلے ہندوستان ہی کے باشندے تھے۔ بتوں کو پوجتے، گائے کی پرستش کرتے اپنی بیوہ لڑکیوں کو زندہ جلاتے۔ حرام کھاتے اور نیکی بدی میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ ایران سے آپ کے بزرگ سید علیؒ ہجویری، حسین زنجانی، معین الدین چشتیؒ، قطب الدین بختیار اوشیؒ، لعل شہباز قلندر مروندی، جلال سید بخاری، شمس الدین تبریزی اور دیگر بے شمار حضرات ایران سے ہمارے پاس آئے۔ انہوں نے ہمیں کہا کہ پتھروں کو سجدہ نہ کرو۔ گائے کی پوجا نہ کرو۔ عورتوں کو زندہ نہ جلاؤ بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ اور مسلمان ہو جاؤ۔ چنانچہ ہم ان کے کہنے پر مسلمان ہو گئے۔ اس پر ہندو ہمارے جان و مال کا دشمن ہو گیا اور ہمیں قتل کرنے لگا۔ ہمارا گناہ صرف یہ ہے کہ ہم ایرانی بزرگوں کے کہنے پر مسلمان ہو گئے۔ ہم نے ہندوؤں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ایک علیحدہ وطن حاصل کیا ہے تاکہ بحیثیت مسلمان ہم زندہ رہ سکیں۔ اس علیحدہ وطن کا تصور دینے والا ہمارا عظیم شاعر اقبال ہے جو آپ کے مولانا رومی کا مبلغ اور مفسر ہے۔ بتلایئے ہم نے ایسا کرنے میں کیا گناہ کیا ہے؟

اس پر ایرانی علما اور دانشور ڈاکٹر عرفانی کی منطقی بات کو بہت اچھی طرح سمجھ جاتے۔ عرفانی رومی اور اقبال کے بیسیوں شعر زبانی سناتے چلے جاتے۔ گفتگو کا یہ موضوع ان کی روح کا حصہ بن چکا تھا۔ وہ جب بھی کچھ بولتے یا لکھتے تو رومی یا اقبال کے حوالے سے لکھتے۔ ایران میں انہوں نے اقبال کو "رومیِ عصر" کے نام سے متعارف

کرایا۔ چنانچہ ایران کے علمی اور ادبی حلقوں میں ان کی یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ وہ ملک الشعرا بہار جیسے شعرا، علامہ بروجردی اور آیت اللہ کاشانی جیسے علما، علامہ دھخدا، استاد فروزانفر، استاد جلائی حانی، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا اور ڈاکٹر حسین خطیبی جیسے ممتاز اساتذہ سے بڑی بے تکلفی سے ملتے اور انہیں پاکستان کی اہمیت اور عظمت سے آگاہ کرتے۔ وہ اس سلسلے میں پاکستان کے بنے ہوئے کپڑوں یا بیٹ بلّوں یا برتنوں اور پنکھوں کا ذکر کم کرتے۔ کیونکہ اس میدان میں ہندوستان شاید ہم سے آگے تھا۔ ڈاکٹر عرفانی صرف اقبال کو پیش کرتے اور اہلِ ایران پر ثابت کرتے کہ عالمِ اسلام کے پاس نہ صرف آج ایسا کوئی فلسفی شاعر نہیں، بلکہ گزشتہ صدیوں میں بھی اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

ڈاکٹر عرفانی کی ان منطقی بحثوں اور انتھک کوششوں سے اہلِ ایران نے اقبال کو پہچاننا شروع کیا جس کے نتیجے میں استاد مجتبیٰ مینوی اور سید غلام رضا سعیدی جیسے بلند پایہ اقبال شناس پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ نوبت ڈاکٹر شریعتی شہید جیسے شعلہ بیان مقرروں تک پہنچی جنہوں نے اقبال کے انقلابی پیغام کو سارے ایران میں پھیلا دیا اور پہلوی دور کے معاشرے میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ اگر ملک الشعرا بہار نے یہ کہا کہ عصرِ حاضر عصرِ اقبال ہے اور اگر شریعتی شہید نے یہ کہا کہ اقبال غزالیِ ثانی ہے اور اگر آیت اللہ خامنہ ای یہ کہتے ہیں کہ اقبال کا شعر معجزہ ہے تو یہ بہت بڑی بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس بات کو بنانے میں ڈاکٹر عرفانی کی والہانہ کوششوں کا بڑا حصہ ہے۔ تہران یونیورسٹی کے ڈاکٹر حسین خطیبی نے بجا طور پہ کہا کہ ہم ڈاکٹر عرفانی کے اس احسان کا بدلہ نہیں دے سکتے کہ انہوں نے اقبال کو ہم سے متعارف کرایا۔

مقطعِ کلام میں ایک بات عرض کرنے کی یہ ہے اور یہ کوئی سخن گسترانہ بات نہیں ہے کہ آج سے ہزار سال پہلے جو اسلامی پیغام حضرت علی ہجویریؒ اور ان کے بعد آنے والے سینکڑوں بزرگانِ دین برِصغیر میں لائے اور جس کے نتیجے میں ہم برِصغیر میں بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہوئے، وہ موثر پیغام فارسی میں تھا۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخشؒ سے لے کر علامہ اقبال تک ہمارے تمام صوفیوں، ولیوں، عالموں، بادشاہوں، وزیروں، امیروں، مؤرخوں، شاعروں اور ادیبوں کی زبان فارسی رہی۔ حتیٰ کہ مرہٹوں اور سکھوں نے بھی اپنے دورِ حکومت میں فارسی ہی کو اپنی سرکاری زبان بنایا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ فارسی برِصغیر کی تہذیبی زبان تھی۔ چنانچہ اس کی اس اہمیت اور حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کے لیے اس زبان سے کوئی مفر نہ تھا۔ علامہ اقبال نے انگریزی دوُر میں انگریزی اور اردو دانی کے باوجود اپنا حیات آفریں اور ولولہ انگیز پیغام فارسی زبان میں دیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ فارسی مسلمانوں کی تہذیبی اور ثقافتی زبان ہے اور کوئی قوم اپنی ثقافتی اقدار اور تہذیبی میراث کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ چنانچہ جب علامہ سے یہ کہا گیا کہ آپ اپنا کلام اردو میں لکھا کریں تو انہوں نے فوراً کہا:

It Comes to me in Persian

یہ اشعار مجھ پہ فارسی ہی میں اترتے ہیں۔

کلامِ اقبال کی دینی، عرفانی، سیاسی اور ادبی اہمیت کے پیشِ نظر اسے آج اسلامی جمہوریہ ایران نے اپنی درس گاہوں کی تمام کلاسوں کے نصابات میں لازمی طور پر شامل کیا ہے لیکن ادھر ہم نے پاکستان میں فارسی کو سکولوں سے خارج کر دیا ہے اور اس حقیقت کو یکسر بھول گئے ہیں کہ پاکستان کے مسلمانوں کا ہزار سالہ تہذیبی ورثہ فارسی زبان میں محفوظ ہے اور تاریخی طور پہ یہی ورثہ ہمارے ملی تشخص کا سب سے بڑا باعث ہے اور اسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عربی اور فارسی دونوں زبانیں ہمارے تعلیمی نصاب میں ہمیشہ اختیاری مضمون کی حیثیت سے شامل رہی ہیں لیکن گزشتہ چند سال سے فارسی زبان کی تدریس سکولوں میں معطل ہو گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا حتمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمارا تمام دینی، عرفانی اور تہذیبی ورثہ حضرت علی ہجویریؒ سے لے کر علامہ اقبال کے آثار تک پردۂ فراموشی میں چلا جائے گا اور یہ ایک طرح سے ہماری تہذیبی خودکشی ہو گی جس کے معاشرتی نتائج کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مزید برآں ہمارے ہمسایہ فارسی زبان ممالک ایران، افغانستان اور تاجکستان میں آج اسلام کے نام پر زبردست سیاسی انقلابات رونما ہو رہے ہیں جن کے کم از کم ثقافتی اثرات سے ہم غافل نہیں رہ سکتے۔

حالات کے اس تناظر میں میری درخواست ہے کہ وزارتِ تعلیم کے متعلقہ اربابِ اختیار اس موضوع پر نظرِ ثانی کریں تاکہ طلبا سابقہ نظامِ تعلیم کے مطابق سکولوں میں فارسی کو پڑھ سکیں۔ یہ مسئلہ محض ایک زبان کا مسئلہ نہیں بلکہ ہمارے تہذیبی ورثہ اور قومی نظریہ کی بقا کا مسئلہ ہے اور پاکستان کی اس ہزار سالہ تاریخ کے تحفظ کا مسئلہ ہے جسے مجاہدینِ اسلام نے اپنی شجاعتوں سے، علمائے دین نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے، اولیائے کرام نے اپنی تبلیغی کوششوں سے اور شہیدانِ حق نے اپنے خون سے تحریر کیا ہے۔ خواجہ عرفانی بھی انھی میں سے ایک تھے۔